چندہ
ہندوستان و پاکستان سے ... ... صہ
فی کاپی ... ... آٹھ آنے

ماہنامہ الفرقان لکھنؤ

چندہ
غیر ممالک سے ... ... ۱۳ شلنگ
فی کاپی ... ... ۱۲ آنے

جلد ۱۸ | بابتہ جمادی الاولیٰ سنہ ۱۳۷۰ھ مطابق مارچ سنہ ۱۹۵۱ء | نمبر ۵

نمبر شمار	مضامین	لکھنے والے	ترتیب صفحات
۱	نگاہ اولیں	عتیق الرحمٰن سنبھلی	۲ — ۴
۲	یقین اور اس کے ثمرات	مولانا محمد اویس صاحب ندوی	۵ — ۸
۳	دجالی فتنہ اور سورۂ کہف	مولانا سید مناظر احسن گیلانی	۹ — ۲۱
۴	دعوت اصلاح و تبلیغ کے رفقاء کے نام	از مرکز لکھنؤ	۲۲ — ۲۴
۵	دنیا کی معاشی مشکلات کا حل اسلامی اصول کی روشنی میں	مولانا محمد اسحاق سندیلوی	۲۵ — ۳۹
۶	تعارف و تبصرہ	ادارۂ الفرقان لکھنؤ	۴۰ — ۴۴
۷	اے ساقی (نظم)	حضرت نازش پرتاب گڈھی	۴۵ — ۴۸
۸	انتخاب!	ادارہ	
۹	اسلام کی انقلابی تعلیم	مدینہ بجنور	
۱۰	آزادی میں غلامی	صدق جدید	
۱۱	ہائے رے پیٹ	الانصاف الہ آباد	

سرخ پنسل کا نشان

اس بات کی علامت ہو کہ جناب کی مدت خریداری ماہ رواں کے شمارہ پر ختم ہو گئی ہو لہذا اپنا چندہ برائے ایک سال مبلغ صہ بذریعہ منی آرڈر ارسال فرما کر مشکور فرمائیے! آپکی سہولت کیلئے منی آرڈر فارم بھی بھیجا جا رہا ہو، اگر ۲۰ اپریل تک جناب کا چندہ وصول نہ ہوا اور نہ کوئی اطلاع آئی تو اگلا پرچہ وی، پی کے ذریعہ بھیجا جائے گا جس کا وصول کرنا جناب کا اخلاقی فریضہ ہوگا ——— (ناظم الفرقان)

(مولانا) محمد منظور نعمانی پرنٹر و پبلشر نے نامی پریس لکھنؤ میں چھپوا کر دفتر الفرقان گوئن روڈ لکھنؤ سے شائع کیا۔

دنیا کی معاشی مشکلات کا حل

اسلامی اصول کی روشنی میں

(از جناب مولانا محمد اسحٰق صاحب سندیلوی)

معاشی مصائب کے پہاڑ کے نیچے دبی ہوئی اور زندگی کے کانٹوں میں الجھی ہوئی دنیا کی نوے فی صدی آبادی بیزار ہو کر اس طرح چیخ رہی ہے کہ شاید دنیا کا کوئی انسان ایسا نہو گا جس کے کانوں تک اس کی دلدوز آہ و بکا کی آواز نہ پہونچی ہو اس لئے کچھ ضرورت نہیں کہ بار بار ان کی حالت کا تذکرہ کر کے مجلس غور و فکر کو جلسۂ تعزیت بنایا جائے۔ سوچنے کی بات یہ ہے کہ ان کے مصائب کا علاج کیا ہے ؟

حضرت آدم کی یہ زندہ درگور اولاد آبِ حیات کی پیاسی ہے جو انھیں نئی زندگی بخش دے اور عالم نزع کی تکلیف سے نجات دے میں نے اس سے پہلے چند متفرق مضامین میں اسی مسئلہ پر بحث کی ہے اور کامیابی کے ساتھ منصفانہ طور پر اس واقعہ کا اظہار عقل و تجربہ کی روشنی میں کر چکا ہوں کہ دنیا کی اس پیاسی اکثریت کے سامنے دنیا نے صرف سراب کا پر فریب تحفہ پیش کیا ہے چشمۂ آبِ حیات تک نہ سرمایہ دار کی رسائی ہو سکی اور نہ مارکس کے پیرو اسے پا سکے۔ سوالات بدستور موجود ہیں اور جوابات مفقود۔

ایک کتاب ہمارے پاس موجود ہے جس کا نام قرآن مجید ہے۔ اس کا دعویٰ ہے کہ وہ اللہ کا کلام ہے اور دنیا میں اس لئے اتارا گیا ہے کہ دنیا کو جینے مرنے کا طریقہ بتائے۔ ہم اس کے اس دعوے کو تسلیم کرتے ہیں اور اس پر ایمان رکھتے ہیں۔ اسی دنیا میں ایک شخصیت عظمیٰ پیدا ہوئی تھی جن کا نام نامی محمد صلی اللہ علیہ وسلم تھا۔ ان کا دعویٰ تھا کہ وہ اللہ کی جانب سے دنیا کو زندگی اور موت کا طریقہ سکھانے کے لئے بھیجے گئے ہیں۔ ہم ان پر ایمان رکھتے ہیں۔ دوسرے ان پر ایمان رکھتے ہوں یا نہ رکھتے ہوں لیکن کم از کم یہ فرض تو ان پر انسانیت کی طرف سے عائد ہی ہوتا ہے کہ وہ قرآن مجید اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات میں دنیا کے ان معاشی سوالات کے جوابات تلاش کریں۔ اگر واقعی وہ انسانی ہمدردی کی آگ سینے میں رکھتے ہیں اور تعصبات کے خس و خاشاک کو اس سے جلا کر صاف کر چکے ہیں تو انھیں یہ اقدام کرنا ضروری ہے ورنہ ان کا دعویٰ کسی سمجھدار آدمی کے نزدیک قابل قبول نہیں ہو سکتا۔

ان سطروں میں بہت اختصار کے ساتھ معاشی مصائب کے اس علاج کی جانب کچھ اشارات کرنے ہیں جو کتاب و سنت یا بالفاظ دیگر اسلام نے تجویز کیا ہے۔

گذشتہ مضامین میں جو سوالات پیش کئے گئے تھے وہ درحقیقت ایک سوال کے مختلف اجزا ہیں اس لئے انھیں دہراکر طوالت دینے کے بجائے ہم اصل سوال کا تذکرہ کئے دیتے ہیں

دنیا کی نوے فی صدی آبادی ضروریات زندگی کے لئے پریشان ہے اس کی یہ پریشانی کس طرح دور ہوسکتی ہے اور وہ معاشی نظام کون ہوسکتا ہے جسکے رواج کے بعد ہر شخص ضروریات زندگی سہولت و آسانی کے ساتھ حاصل کرسکتا ہے یہی مسئلہ ہے جسے حل کرنا ہے۔

اسلام نے جو نظام معیشت تجویز فرمایا ہے اس کی تفصیل کسی مختصر مضمون میں نہیں سماسکتی۔ یہاں ہم صرف ان اصول کا تذکرہ کریں گے جو اسلامی نظام معیشت کی بنیاد ہیں اور انھیں کو دیکھنے سے معلوم ہوجاتا ہے کہ ان اصول پر جو معاشی عمارت تیار کیجائیگی وہ دنیا کی سو فیصدی آبادی کو اپنے سایے میں آرام دینے کے لئے کافی ہوگی۔ اگر یہ عمارت تیار ہوجائے تو صرف وہی لوگ طوفان مصائب کا شکار رہوں گے جو اس کے اندر آنے سے گریز کریں ورنہ معاشی مصیبت کے داخلے کے لئے اس میں کوئی دروازہ نہوگا۔

معاشی مسئلہ کا درجہ

ضروریات زندگی کی "تلاش و جستجو" انسانی طبیعت سے براہ راست کوئی رشتہ نہیں رکھتی ہے بلکہ یہ ایک علامت ہے اس تکلیف و پریشانی کی جسے دور کرنے کے لئے انسان ہاتھ پیر مارتا ہے۔ اگر بھوک تکلیف دہ اور مہلک نہ رہے اور جسم سردی و گرمی پر فتح پاسکے اس کے ساتھ حیا و شرم کا طبعی جذبہ بھی مردہ ہوجائے تو علوم کی فہرست سے معاشیات کا لفظ ہی غائب ہوجائے گا۔ انسان روٹی اور کپڑے کا طالب نہیں ہوتا بلکہ اس راحت و آسائش کا طلبگار ہوتا ہے جو عادتاً ان چیزوں کے ہمرکاب ہوتی ہے۔

راحت و اطمینان کا تعلق انسان کے ظاہری جسم سے زیادہ اس کے باطن یعنی دل و دماغ سے ہے۔ اگر دل بیقرار ہے تو صرف معدہ کا پُر ہونا یا تن ڈھکا ہونا اس کے قرار کے لئے کافی نہیں ہیں۔ اس کے لئے ضروری ہے کہ ذہن و قلب کو بھی ان کانٹوں سے پاک کردیا جائے جو سکون و قرار کو قرار نہیں لینے دیتے۔

معاشی مسئلہ کو زندگی کا اولین مسئلہ قرار دینا، پیٹ و تن کو اس کی ابتدا اور انتہا سمجھ لینا اور "زیستن برائے خوردن" پر ایمان رکھنا ذہن میں ایسی زہریلی فضا پیدا کردیتے ہیں جس میں سکون کے لئے سکون حاصل کرنا اور قرار کے لئے سانس لینا ناممکن ہوجاتا ہے، اسی فضا میں حرص و آز کے خطرناک جراثیم پیدا ہوتے ہیں جو اطمینان کے سخت دشمن ہیں

اسلام اللہ کا دین ہے اس لئے وہ اس فطری اصول کو کس طرح نظر انداز کردیتا اس لے اپنی معاشی عمارت کا بنیادی پتھر اسی اصول کو بنایا کہ معاشی مسئلہ انسانی زندگی میں دوسرے درجہ کا مسئلہ ہے۔ اللہ تعالیٰ سے تعلق پیدا کرنا یہ انسانی زندگی کا اولین مسئلہ ہے۔ معاشی جد وجہد اسی مسئلہ کی ایک فرع اور اسی درخت کی ایک شاخ ہے، وہ "زیستن برائے خوردن" کا قائل نہیں ہے بلکہ "خوردن برائے زیستن و ذکر کردن" کی تعلیم دیتا ہے اس لئے ایک طرف تو وہ انسان کا مقصد زندگی "عبادت حق" کو قرار دیتا ہے۔

وماخلقت الجنّ والانس الّا لیعبدون — ہم نے انسانوں اور جنوں کو صرف اپنی عبادت کے لئے پیدا کیا ہے

اور دوسری طرف "رزق" اور معاش کے فکر کا بوجھ انسان پر اس حقیقت کو آشکار کرکے دور کرتا ہے کہ اس کی ذمہ داری خود رازق حقیقی نے لے لی ہے۔

ومامن دابۃ فی الارض الا علی اللہ رزقہا — دنیا میں جو بھی چلنے پھرنے والی ہستی ہے اس کے رزق کی ذمہ داری اللہ پر ہے

ان آیات قرآنیہ کے بعد معدن حکمت کا ایک جواہر پارہ یعنی حدیث ذیل پر بھی نظر کیجئے تو کلام الٰہی کا مقصد خوب واضح ہوجائے گا

من جعل الھموم ھمّا واحداً ھمّ الدین کفاہ اللہ ھم الدنیا والاٰخرہ — جو شخص اپنے کل افکار کو ایک فکر یعنی فکر آخرت میں تبدیل کرلے اللہ تعالیٰ اس کے افکار دنیا و آخرت سب کو پورا کرتے ہیں۔

ہدایت یہ ہے کہ فکر آخرت و معاد اصل فکر ہے اور فکر معاش اس کے تابع۔ یہ بھی رہے مگر اس طرح نہیں کہ اصل یہی بن جائے۔ اسی درجہ میں رہے جس کی وہ مستحق ہے اور اسی مقدار میں رہے جس کی نظام معاشرت باقی رہنے کے لئے ضروری ہے

معاشی جد وجہد کا صحیح رُخ

معاشی زندگی کے لئے اسلام نے دوسرا بنیادی اصول یہ بتایا ہے کہ "زر (MONEY)" فی نفسہ مطلوب نہیں ہے۔ بلکہ اصل مقصد احتیاجات کو پورا کرنا ہے۔ جو اشیاء سے حاصل ہوتا ہے نہ کہ زر سے۔

یہ ایک پیش پا افتادہ بات ہے جسے ہر شخص بہت آسانی کے سمجھ سکتا ہے مگر کس قدر تعجب خیز واقعہ ہے کہ دنیا کے بڑے بڑے عقلاء نے اسے بالکل نظر انداز کر دیا ہے۔ لوگوں کا رویہ عموماً یہی ہے کہ وہ زر ہی کو مقصود و مطلوب سمجھتے ہیں۔ اور دن رات زر اندوزی کی فکر میں غلطاں و پیچاں رہتے ہیں۔

اسلام نے اس مسئلہ کو واضح کرکے اور اس پر زور دے کر معاشی جد وجہد کا صحیح رُخ مقرر کر دیا ہے اور انسان کو اس کجروی سے بچانے کی کوشش کی ہے جس کی وجہ سے تباہی اور ہلاکت اس کے لئے یقینی ہو جاتی ہے۔ حدیث نبوی ہے:

لیس لابن اٰدم حق فی سوی ھٰذہ الخصال — انسان کو در اصل ان چیزوں کے علاوہ اور کسی شے کا حق

بیت یسکنہ وثوب یواری بہ عورتہ — نہیں ہو پہنچتا رہنے کے لئے مکان، ستر چھپانے کے لئے کپڑا

وجلف الخبز والماء — معمولی روٹی اور پانی

چاندی سونے کی پرستش ہی وہ چیز ہے جس نے اس عالم کو جہنم بنا دیا ہے۔ اگر ان بتوں کو دل سے نکال دیا جائے تو یہ تجوری میں بھی چھپنے کی ہمت نہیں کریں گے اور معبود بننے کے بجائے انسان کے بندۂ بے دام بن کر اس کی خدمت کے لئے ساری دنیا میں پھیل جائیں گے۔

اخلاقی پشتہ

محبت مال کا سوتا خود انسانی طبیعت کی سرزمین سے پھوٹتا ہے۔ اگر اخلاقی پشتہ باندھ کر اس کو قابو میں نہ رکھا جائے تو اس کا طوفانی سیلاب انسانیت اور اس کے کل اعلیٰ صفات کو اپنے ساتھ بہالے جائے۔ انسان کی اس فطری کمزوری کے پیش نظر اسلام نے اپنے معاشی نظام کی بنیاد اپنے اخلاقی نظام پر رکھی ہے اور صبر، قناعت، سخاوت، ایثار، سیر چشمی، مروت

کی اعلیٰ صفات و عادات کی ہدایات کو معاشی ابواب کی سُرخی قرار دیا ہے۔ اسلامی معاشیات کی جانب اس اصول کی نسبت اس قدر واضح ہے کہ اس کے لئے دلائل و اسناد کا نقل کرنا بالکل غیر ضروری ہے اس لئے بخوف طوالت یہاں ہم اس کے تذکرے سے پہلو تہی کرتے ہیں۔

نفسیاتی پشتہ

"بھول بھی انسان کی جبلّت میں داخل ہے اس لئے با وجود تربیت غفلت کا خطرہ ہر وقت رہتا ہے۔ یہ غفلت حب مال کیلئے دل میں جگہ بنا دیتی ہے اور چور دروازے سے اسے بلا لیتی ہے۔ دین فطرت نے اس چور دروازے پر بھی پہرہ بٹھا دیا ہے اور مال و دولت کو "رزق" (حصہ) "فضل اللہ" (اللہ کا فضل و عطیہ) "خیر" (بھلائی) "زینت" (ظاہری دکھاوے کی چیز) "متاع" (محض برتنے کی چیز جس میں دل نہ لگانا چاہیئے) "متاع الغرور" (دھوکے کی چیز) کے الفاظ سے موسوم کرکے نفسیاتی اعتبار سے یاددہانی کا بہترین ذریعہ مہیا کر دیا یعنی ان الفاظ کا استعمال آخرت اور رب العالمین کے سامنے جواب دہی کے واسطے سے ذہن کو مال و دولت کے صحیح مداخل و مصارف کی طرف منتقل کر دیتا ہے اور انسان اگر چاہے تو غفلت اور اس کے مہلک نتائج مثلاً حب مال بخل وغیرہ سے محفوظ رہنے میں ان سے کافی امداد حاصل کر سکتا ہے۔

معاشی قوانین

اگر قانون کی پشت پناہی کے لئے اعتقادی، اخلاقی، اور نفسیاتی طاقت نہ ہو تو وہ مکڑی کے جالے سے بھی زیادہ کمزور ہوتا ہے یہاں تک کہ خود وضع کرنے والے بھی موقع بے موقع اسے توڑتے رہتے ہیں۔ اسلامی قوانین اس کمزوری سے پاک ہیں ان کے پس پشت پر ایمان و اخلاق کی زبردست طاقت ہے اور ان پر عمل پیرا ہونے کے لئے نفسیاتی محرکات موجود ہیں۔ بلکہ اسلامی نظام زندگی میں ایمان و اخلاق کو اولیت کا درجہ حاصل ہے اور قوانین کا درجہ ان کے بعد ہے۔ ان بنیادوں میں سے بعض کا اجمالی تذکرہ کرنے کے بعد ہم مختصر طور پر اسلام کے ان معاشی قوانین کا ذکر کرتے ہیں جن پر عمل کرنے کے بعد دنیا کے کل معاشی مسائل آسانی کے ساتھ حل ہو جاتے ہیں اور معاشی مصائب کا نام و نشان بھی نہیں باقی رہ سکتا۔ انسان کی معاشی زندگی تین حصوں پر تقسیم ہوتی ہے۔

(۱) اکتساب دولت جسے آج کل معاشی اصطلاح میں پیدایش (PRODUCTION) کہتے ہیں۔ قرآن مجید نے اسے اکتساب اور ابتغاء فضل اللہ کے الفاظ سے تعبیر کیا ہے۔ اس مضمون میں بھی اس کے لئے اکتساب ہی کا لفظ استعمال کیا جائے گا۔

(۲) تقسیم دولت (DISTRIBTION OF WEALTH)

(۳) انفاق دولت یا صرف (CONSUMPTION) تبادلہ (EXCHANGE) بھی درحقیقت اکتساب ہی کا ایک طریقہ ہے اس لئے اسے مستقل طور پر ذکر کرنے کی ضرورت نہیں۔ ان سب ابواب میں شریعت اسلامیہ نے بہترین اور مناسب ترین ہدایتیں دی ہیں۔

ایک کلیہ

رزق یا دولت کے بارے میں انسان کے حرکات و سکنات کو اسلام نے آزاد نہیں چھوڑا ہے بلکہ علاوہ جزئی قوانین کے ایک کلی قانون یہ بتایا ہے کہ انسان اس بارے میں آزاد نہیں ہے بلکہ اپنے ہر فعل کی جواب دہی حق تعالیٰ کے سامنے کرنی پڑیگی

مشہور حدیث ہے کہ لوگ اس وقت تک میدان قیامت میں کھڑے رہیں گے جب تک چار سوالات کا جواب نہ دیدیں ان میں سے ایک سوال یہ ہوگا۔

عن مالہ من این اکتسبہ و فیم انفقہ — اس کی دولت کے متعلق پوچھا جائے گا کہ کہاں سے حاصل کی اور کہاں خرچ کی۔

اکتساب

اسلام نے اکتساب دولت پر سخت احتساب قائم کر دیا ہے اور کسی انسان کو یہ آزادی نہیں دی ہے کہ وہ جس طرح چاہے دولت حاصل کرلے۔ اکتساب کے ذرائع اور طریقوں کی مکمل فہرست تو اس نے نہیں بتائی ہے لیکن ان کی تقسیم جائز ناجائز اور حلال و حرام کی صورت میں کرکے ایسے اصول و قوانین مقرر کر دیئے ہیں جن سے ان کا معلوم کرلینا بہت آسان ہو جاتا ہے یہی نہیں بلکہ اس سلسلہ میں بعض اہم جزئیات کی وضاحت بھی کر دی ہے۔

اکتساب کا اولین اسلامی اصول یہ ہے کہ جو دولت بھی حاصل کی جائے وہ "حق" کی بنا پر حاصل کی جائے۔ جو دولت "بغیر حق" کے حاصل ہو وہ حرام اور ناجائز ہے۔ اسی طرح طریق اکتساب کا اختیار کرنا بھی "حق" کی بنیاد پر ہو سکتا ہے۔

"یہ حق" کسی طبعی یا عقلی طریقے سے نہیں متعین ہوتا بلکہ خود حق تعالیٰ کا ایک عطیہ ہے یعنی صرف شریعت اسلامیہ کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ کسی کو کسی مال و دولت کے اکتساب یا کسی طریق اکتساب کو اختیار کرنے کا حق عطا کرے۔ جب شریعت کسی کو اس قسم کا حق عطا کر دیتی ہے تو حکومت کو بھی اس میں رکاوٹ ڈالنے کا اختیار باقی نہیں رہتا۔ مثلاً بعض چیزیں ایسی ہیں جنھیں اسلام نے "غیر مملوک" قرار دیا ہے یعنی وہ کسی شخص کی شخصی ملکیت میں نہیں داخل ہو سکتیں بلکہ عام پبلک کو ان سے نفع اٹھانے کا حق پہونچتا ہے۔ ان کے اس حق کو حکومت بھی سلب نہیں کر سکتی اور ان اشیا کی نہ خود مالک ہو سکتی ہے اور نہ کسی کی شخصی ملکیت میں دے سکتی ہے۔ ان اشیاء میں خودرو گھاس جنگل، قدرتی طور پر حاصل ہونے والا پانی اور ہوا کے علاوہ ایسے معدنیات بھی شامل ہیں جو بغیر کسی خاص محنت و مشقت اور کھدائی وغیرہ کے ہر شخص کی دسترس کے اندر داخل ہوں۔ اور عام پبلک کی ضروریات میں داخل ہوں۔ فقہا نے اس ذیل میں نمک مٹی کے تیل، گندھک، تارکول، مومیائی کا تذکرہ خصوصیت کے ساتھ کیا ہے۔ وہ زمین بھی اسی ذیل میں آتی ہے جس سے کسی بستی کی عام احتیاج کے متعلق ہو، مثلاً چراگاہ یا کھلیان ڈالنے کے میدان، یہاں تک کہ فقہا نے تقریباً ہر اس چیز کو "غیر مملوک" قرار دیا ہے جس کی احتیاج عام ہو۔

یہاں اس اصول کی پوری تفصیل اور کتب دینیہ کے حوالوں کو ہم بخوف طوالت نظر انداز کرتے ہیں۔ حدیث و فقہ کی عام کتابیں دیکھنے سے پوری تفصیلات معلوم ہو سکتی ہیں۔ اس وقت صرف اتنی بات ظاہر کرنی ہے کہ اسلام پیداوار اور ذرائع پیداوار کے ایک بہت بڑے حصے کو "غیر مملوک" قرار دیتا ہے اور حکومت کو بھی اس کا حق نہیں دیتا کہ وہ اسے (بعض خصوصی حالات کے سوا) کسی کی شخصی ملکیت میں دے سکے یا اس پر خود اپنی ملکیت کا دعویٰ کر سکے جس سے یہ چیز بالکل صاف ہو جاتی ہے کہ اسلام کے نزدیک "حق" کا تصور کیا ہے اور اس کے عطا کرنے میں احتیاج عامہ کی کس قدر رعایت کی ہے۔

اشتراکیت دعویدار ہے کہ اس نے عام احتیاج کی بہت رعایت کی ہے بلکہ اس نظام کی بنیاد ہی عام احتیاجات کی رعایت پر ہے لیکن وہ عامۃ الناس کے کل حقوق حکومت کی طرف منتقل کر دیتی ہے جو نفسیاتی، قانونی اور عملی ہر حیثیت سے خود ایک شخصیت بن جاتی ہے۔ قول و عمل کے اس تناقض کو دیکھنے کے بعد ہر منصف مزاج فیصلہ کر سکتا ہے کہ اشتراکیت کا دعویٰ کس قدر خلاف حقیقت ہے۔

اسلامی نظام معاشی کس قدر اعلیٰ، عادلانہ اور کریمانہ ہے اور اس میں عوام کو کس قدر راحت اور آسائش حاصل ہو سکتی ہے۔ اس کے لیے اگر صرف اس کے تصور "حق" اور بنیاد استحقاق کو سامنے رکھا جائے تو مزید ثبوت سے بے نیازی ہو جاتی ہے۔ دولت اور ذرائع اکتساب دولت کی یہ قسم یعنی غیر مملوک یا دوسرے الفاظ میں مشترک اور مملوک عامۃ الناس ایک ایسی چیز ہے جو دنیا کے دوسرے معاشی نظامات میں ایک اجنبی شے ہے اگر عوام الناس کے اس قدرتی حق کو تسلیم کر لیا جائے تو خدا جانے دنیا کے کتنے معاشی مسائل اور سیاسی معاملات حل ہو جائیں اور انسان کس قدر راحت و آرام محسوس کرے مگر جو لوگ کہ چاندی سونے ہی کو اصل مقصود سمجھتے ہیں وہ اس "حق" کا تصور بھی نہیں کر سکتے

ناجائز اکتساب دولت کے سلسلے میں قمار اور سود (INTERST) خصوصیت کے ساتھ قابل ذکر ہیں۔ شریعت اسلامیہ نے نہ صرف یہ کہ ان طریقوں کو حرام قرار دیا ہے بلکہ جس طریق اکتساب میں ان کا شبہ بھی پیدا ہو جائے اس کو بھی حرام کر دیا ہے۔ چنانچہ مبادلہ (EXCHANGE) کے سلسلہ میں جو قوانین شریعت نے مقرر کیے ہیں وہ اس قدر حکیمانہ ہیں کہ جن کا جواب ناممکن ہے مثلاً چاندی سونے کے بارے میں اگر دونوں بدل ہم جنس ہوں یعنی چاندی کو چاندی اور سونے کو سونے سے بدلا جائے تو اس مبادلے کی صحت کے لیے دو شرطیں ہیں اول یہ کہ لین دین برابری کی شرح پر ہو یعنی دونوں عوضوں کی مقداریں برابر ہوں مثلاً ایک تولہ سونے کے عوض میں ایک ہی تولہ سونا لیا اور دیا جا سکتا ہے کم یا زیادہ لینا یا دینا جائز نہیں ہے۔ دوسری شرط یہ ہے کہ یہ لین دین نقد ہو اس میں اُدھار جائز نہیں ہے

اس اصول پر عمل کرنے سے شرح تبادلے کے متعلق سیکڑوں گتھیاں سلجھ جاتی ہیں اور غیر مساوی شرح تبادلے سے جو مصیبتیں کمزوروں پر پڑتی ہیں ان سے نجات حاصل ہو جاتی ہے، چاندی سونے کی پوجا اور اس کو کھینچنے اور جمع کرنے کی ذہنیت پر کاری ضرب پڑتی ہے۔ اسی ناپاک ذہنیت نے سودی قرض کی لعنت کو دنیا پر مسلط کر دیا ہے جو یقینی طور پر اکتساب دولت کا بدترین خلاف انسانیت طریقہ ہے، اگر سود خواری دنیا سے ناپید ہو جائے تو معاشی مصائب کا خاتمہ ہو جائے۔ ساہوکاری اور بینکوں کے سودی جال نے اربوں انسانوں کو مصیبت کے جال میں پھنسا رکھا ہے اگر شریعت اسلامیہ کے حکم ممانعت سود پر عمل کیا جائے تو سودی قرض دینے کے بجائے لوگوں کا رجحان مشترک تجارتوں کی طرف ہوگا اور بنک امداد باہمی اور مشترک کاروبار کے اصول پر جاری کیے جائیں گے۔ اس طرح دولت کا آب رحمت ہر چمن کی آبیاری تقریباً مساوی طور سے کرے گا اور عالم کی معاشی سطح کی یہ ہولناک ناہمواری خواب و خیال بن جائے گی۔

انسانی مصائب میں پیٹ کی مصیبت شدید ترین مصائب کی صف میں شمار کی جا سکتی ہے۔ وہ چیز جو محنت کشوں کو سرمایہ دار کا غلام بنا دیتی ہے یہی بھوک ہے جس کا سلسلہ عمر بھر منقطع نہیں ہوتا۔ یہ سرمایہ دار کا سب سے کامیاب اور خوفناک ہتھیار ہے جس کو وہ تنہا مزدوروں کی بڑی بڑی فوجوں کو شکست دے دیتا ہے مگر اسلام نے اس ہتھیار کو اس کے ہاتھ سے چھین لیا ہے یعنی "احتکار" کو بالکل ممنوع قرار دیدیا ہے۔ احتکار کے معنی یہ ہیں کہ ضروریات غذائی مثلاً گیہوں، چنا وغیرہ کو کوئی شخص اس کی قیمت بڑھانے کے لئے جمع کرے۔ یہ فعل شریعت کے نزدیک بہت بڑا جرم ہے جسے حکومت اسلامیہ کبھی برداشت نہیں کر سکتی۔

تقسیم دولت

جس طرح دولت کا آزادانہ اور ہر قسم کے صحیح اور غلط طریقوں سے اکتساب انسانی سماج کو مصائب و آلام کے جال میں پھنسا دیتا ہے اسی طرح اس کی تقسیم میں اگر انسان کو آزاد کر دیا جائے اور وہ غلط، غیر فطری اور ظالمانہ طریقوں سے اس کی تقسیم کرے تو بھی سوسائٹی سخت عذاب میں مبتلا ہو جاتی ہے۔ آج کے معاشی مصائب کی پیدائش میں جس طرح غلط طریق اکتساب کا حصہ ہے اتنا ہی تقسیم کی غلطیوں کا بھی۔

اسلام نے اس شعبہ کو بھی محض انسان کے اختیار پر نہیں چھوڑا ہے بلکہ اس کیلئے بھی اصول و قوانین مقرر کئے ہیں۔ معاش کے جتنے غیر دینی نظام دنیا میں رہے ہیں ان میں تقسیم دولت کا ایک بنیادی اصول مشترک ہے۔ جس کا ماحصل یہ ہے کہ دولت میں حصہ پانے کا مستحق صرف وہ شخص ہے جو اس کی پیدائش و اکتساب میں حصہ دار رہا ہو۔ یہ نظریہ اس خصوصیت کے لحاظ سے بہت ممتاز ہے کہ یہ جس قدر خلاف انسانیت اور ظالمانہ ہے اسی قدر مقبول عام اور لوگوں کے ذہنوں اور دماغوں پر اس طرح قابض ہے کہ کسی کو اس کی غلطی کا وہم بھی نہیں ہوتا یہاں تک کہ آج دنیا کے دو متضاد معاشی نظریے جو قلم و زبان کی جنگ سے آگے بڑھ کر توپ تفنگ کی منطق استعمال کر رہے ہیں اس بنیادی اصول پر بالکل متفق ہیں۔ یہ غلط اصول جس طرح امریکہ و برطانیہ میں حکومت کرتا ہے اسی طرح روس و چین بھی اس کے حدود سلطنت میں داخل ہیں۔ اشتراکیت و سرمایہ داری کے درمیان اس اصول میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ اختلاف ایک ایسے مسئلہ میں ہے جو اس اصول کو تسلیم کرنے کے بعد پیدا ہوتا ہے یعنی نظام سرمایہ داری اصل (CAPITAL) کو بھی اکتساب دولت کا ایک ذریعہ سمجھتے ہوئے اس کا حصہ لگاتا ہے اور نظام اشتراکی اس کا دعویٰ غلط سمجھ کر اسکو حصہ دار نہیں سمجھتا ہے بلکہ صرف محنت کش طبقہ کو حصہ دار مانتا ہے۔

یہ اصول جس قدر مقبول عام ہے اسی قدر غلط اور خلاف انسانیت ہے اس کے معنی یہ ہیں کہ دنیا کے معذور اشخاص کے لئے جو اکتساب دولت کی صلاحیت سے کسی طبعی یا معاشرتی عذر کی وجہ سے محروم ہیں، روٹی کا کوئی ٹکڑا یا پانی کا کوئی گھونٹ نہ نظام سرمایہ داری میں ہے نہ اشتراکیت میں۔ یہ محض ایک منطقی قیاس نہیں ہے بلکہ واقعہ بھی یہی ہے کہ اصولاً ان دونوں نظاموں میں معذورین کا کوئی "حق" دولت میں تسلیم نہیں کیا جاتا۔ اگر کوئی آدمی یا حکومت انھیں کچھ دیدے تو اس کی مہربانی عنایت اور احسان ہے۔

اس اصول کو تسلیم کر لینے کے بعد دوسری خرابی یہ پیدا ہوتی ہے کہ معاشرے میں عزت و شرف کا وزن چاندی سونے

سے کیا جاتا ہے اور معزز وہی ہوتا ہے جو زیادہ دولت پیدا کرتا ہے۔ یہ چیز معاشرت کو جس قدر تلخ بنا دیتی ہے اور انسانیت کی قدر کو جس قدر گھٹا دیتی ہے اس کے لئے کسی بیان کی ضرورت نہیں ہے پھر اس غیر فطری معیار شرف کا اثر صرف معاشرت ہی تک محدود نہیں رہتا ہے بلکہ اس کی تلخی معاشی زندگی کو بھی تلخ بنا دیتی ہے اور وہ لوگ بہت ہی خسارے میں رہتے ہیں جن کی معاشی محنتیں شدت اور کیفیت کے اعتبار سے تو بہت بڑھی ہوئی ہیں لیکن پیدا آوری کے اعتبار سے نسبتاً دوسروں کی خفیف محنتوں کے برابر نہیں ہیں اور یہ اسکی تیسری خرابی ہے۔ اور چوتھا برا نتیجہ جو معاشرے میں کشمکش کی صورت میں نمایاں ہوتا ہے۔ اور جس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ اکتساب دولت میں جب مختلف عوامل کام کرتے ہیں تو پیدا شدہ دولت میں یہ دریافت کرنا بسا اوقات ناممکن ہو جاتا ہے کہ اس کا کتنا حصہ کس عامل کی کارگذاری کا نتیجہ ہے اس اصول کی بنا پر اس کی منصفانہ تقسیم ناقابل عمل ہو جاتی ہے اور ہر شخص یہ دعویٰ کر سکتا ہے کہ اس میں میرا حصہ سب سے زائد ہونا چاہئے پھر عام طور پر طاقتور زیادہ حصہ لیجاتا ہے اور کمزور خون کا گھونٹ پی کر رہ جاتا ہے۔

مندرجہ بالا اصول کے جو اثرات ہم نے اوپر بیان کئے ہیں وہ نظام سرمایہ داری تک محدود نہیں ہیں بلکہ جس طرح اس اصول میں اشتراکی نظام اس کا شریک وسہیم ہے اسی طرح اس کے اثرات بھی دونوں میں مشترک ہیں۔ اگرچہ اثرات کی ظاہری شکلوں کے لحاظ سے دونوں میں اختلاف ہوتا ہے مگر حقیقت بدستور دونوں جگہ باقی رہتی ہے

ایک واقعہ ہے جس سے دنیا میں کوئی انکار نہیں کر سکتا کہ کسی معاشرے میں رہنے والوں میں سے ہر ایک کو زندہ رہنے کا حق حاصل ہے خواہ وہ دولت کی پیداوار میں حصہ لیتا ہو یا نہ لیتا ہو، جینے کا یہ غیر مشروط حق دنیا کا ہر قانون تسلیم کرتا ہے لیکن اس اقرار کے بعد ضروریات زندگی کے فطری حق سے انکار تضاد و تناقض کا ایک عجیب نمونہ ہے۔ ایک معمولی فہم کا آدمی بھی یہ بات سمجھ سکتا ہے کہ جسے زندہ رہنے کا غیر مشروط حق حاصل ہے اور جس کی جان دوسری جان کی عوض ہی میں لی جا سکتی ہے اسے ان چیزوں کے حاصل کرنے کا غیر مشروط حق کیوں نہیں پہونچتا جن پر ان کی زندگی موقوف ہے ہر شخص کو ہوا میں سانس لینے آفتاب سے روشنی حاصل کرنے، زمین پر چلنے اور بیٹھنے، دریاؤں سے پانی پینے کا غیر مشروط حق حاصل ہے تو کیا وجہ ہے کہ اسے اپنے تن و پیٹ کی اشد ضروریات کو حاصل کرنے کا غیر مشروط حق حاصل نہ ہو۔

اتنی دولت جو کسی شخص کی شدید ترین اور ناگزیر احتیاجات کو پورا کرنے کے لئے مطلوب ہو ہر زندہ انسان کا فطری حق ہے جسے تسلیم نہ کرنا سخت ظلم ہے البتہ اس حد ضروری سے تجاوز کرنے کے لئے مناسب شرائط لگانا حدود انصاف میں داخل ہو اور معاشی ترقی کے لئے ناگزیر بھی ہے۔ اسلام نے انسان کے اس فطری حق کو تسلیم کیا ہے اس لئے اس کا بنایا ہوا معاشی نظام ان خرابیوں سے کلیتہً پاک ہے جو سرمایہ داری اور اشتراکیت دونوں میں مشترک ہیں۔ یہ دونوں نظام جن بھوکوں اور ننگوں کو اپنے دروازے سے دھکے دے کر نکال دیتے ہیں اور جنھیں نہایت بے رحمی کے ساتھ فاقہ کشی اور برہنگی کے ہاتھوں موت کے سپرد کر دیتے ہیں اسلام اپنے مہمان خانے میں ان کو بھی جگہ دیتا ہے۔

والذین فی اموالھم حق معلوم للسائل والمحروم (پ ۲۹ معارج) "اور وہ لوگ جن کے مال میں مانگنے والے کا اور آفت رسیدہ کا حق ہے"

اسلام نے اصل، زمین اور منتظم کو بھی دولت میں حصہ دار قرار دیا ہے لیکن اس کا وہ مفہوم نہیں جو نظام سرمایہ داری میں سمجھا جاتا ہے اس اصول کا اسلامی مفہوم اسی مضمون میں اکتساب دولت کا بیان دیکھنے سے واضح ہو جاتا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ اصل دار، زمیندار اور ناظم پیدا وار کے مستحق ہیں لیکن ان کا یہ حق کچھ شرائط کے ساتھ مشروط ہے جن کی وجہ سے معاشرے کی معاشی فضا ہمیشہ معتدل رہتی ہے اور دولت کسی ایک جگہ جمع ہو کر معاشی مصیبتوں کا سبب نہیں بنتا ہے

اسلام نے ان سب کے حقوق تسلیم کئے ہیں لیکن اس کے ساتھ ان کے اوپر ذمہ داریوں کا بوجھ بھی رکھ دیا ہے یہ وہ اصول ہے جو معاشی اعتدال پیدا کرنے میں بہت زیادہ اثر رکھتا ہے۔ انفاق کے بیان سے واضح ہوگا کہ شریعت نے ان لوگوں پر دوسروں کے حقوق کا کتنا بڑا بار رکھدیا ہے۔

یہ اصول اصل و زمین کو حکومت کی ملک میں دینے سے کلیتہً بے نیاز کر دیتا ہے اور اس غلط طریق کار کے نقصانات سے بھی محفوظ رکھتا ہے۔ قاردیت کو رد کرنے کے لئے اشتراکیت نے اصل و زمین کے حصے سے انکار کر دیا ہے لیکن اس لفظی انکار کے معنی اگر تلاش کیجئے تو کہیں نہیں مل سکیں گے۔ عمل یہ ہے کہ یہ سب حقوق حکومت کو سونپ دئے گئے ہیں جو اصل دار بھی ہے اور زمیندار و ناظم بھی۔ یہ دیو ہیکر سرمایہ دار اور زمیندار شخصیت ان چھوٹے چھوٹے اصل داروں اور زمینداروں سے کہیں زیادہ خطرناک اور تکلیف دہ ہے۔ جو مزدور کے مقابلے میں کچھ نہ کچھ کمزور پہلو بھی رکھتے تھے۔

سرمایہ دار و مزدور کی جنگ میں جو چیز سرمایہ دار کو غالب رکھتی ہے اور اسے ظلم و ستم کی طاقت دیتی ہے وہ چاندی سونے کے ذخیرے نہیں ہیں بلکہ اس کی قدرت تصرف ہے یہ وہ نکتہ ہے جسے اشتراکیوں کا مادیت پرست دماغ اپنی گرفت میں نہیں لا سکا۔ انھوں نے سمجھ لیا کہ جوا بدل دینے سے مزدور کی گردن کے زخم مندمل ہو جائیں گے مگر جوا زیادہ بھاری اور سخت ہونے کی وجہ سے وہ اور زیادہ گہرے ہو گئے۔ ملکیت بدل دینے سے مسئلہ حل ہونے کے بجائے اور زیادہ مشکل ہو گیا اور حکومت کی بے پناہ قدرتِ تصرف نے مزدور کو بالکل غلام ہی بنا دیا۔

اسلام نے شخصی ملکیت کو باطل نہیں قرار دیا ہے بلکہ مرض کے حقیقی سبب کو دور کیا ہے یعنی اشخاص کی قوت تصرف کو کم کر دیا ہے بعض تصرفات کی ممانعت کر دی اور بعض کو ضروری قرار دیا جس سے یہ مسئلہ خود بخود حل ہو گیا اور طبقاتی کشمکش کا منصفانہ فیصلہ بالکل فطری طریقہ پر اس طرح ہو گیا کہ نہ سرمایہ دار کو مزدور سے شکایت رہی نہ مزدور کو سرمایہ دار سے شکوہ باقی رہا۔ اسلام کی پوری تاریخ دیکھ جاؤ جس دور میں بھی اسلامی نظام معاشی پر عمل ہوا ہے اس میں تمھیں طبقاتی کشمکش کا نام و نشان بھی نہیں مل سکے گا

ٹیکس | عام طور پر ٹیکس کو حکومت کا حصہ سمجھا جاتا ہے جو اسے امن و امان قائم کرنے کے صلہ میں ملتا ہے۔ ٹیکس کا یہ تصور

اس کی افادیت میں بہت کمی پیدا کردیتا ہے۔ سرمایہ دار سوسائٹی میں ٹوٹیکس کا یہ تصور اس کی افادیت کو خاک میں ملاکر اسے غربا کا خون چوسنے کا ایک طریقہ بنا دیتا ہے۔ اشتراکی سماج کا دعویٰ ہے کہ اس میں اس خنجر سے غریبوں کا گلا کاٹنے کا دستور نہیں ہے مگر ان کی آستین بھی مزدوروں ہی کے نام پر خود مزدوروں کے لہو سے داغدار ہے وہاں بھی ٹیکس حکومت کا ایک حصہ سمجھا جاتا ہے اور مفاد عامہ کے نام پر محنت کشوں سے وصول کی ہوئی یہ رقم ارباب حکومت کے لئے سامان نشاط فراہم کرتی ہے۔ اسلام کے نزدیک ٹیکس حکومت کا حصہ نہیں ہے۔ اس کی خدمات کا صلہ تو آخرت میں ملے گا بشرطیکہ اس کے خدمات اسلامی معیار پر پورے اتریں۔ یہاں خزانہ سے اسے جو کچھ ملتا ہے اس کا نام شریعت کی اصطلاح میں "نفقہ" ہے یعنی اخراجات ضروری محصول کا اسلامی تصور یہ ہے کہ وہ معاشرے میں توازن دولت قائم رکھنے کا ایک ذریعہ ہے۔ آیت ذیل اس اصول کی طرف مشعر ہے

ماافاءالله علی رسوله من اهل القریٰ فلله وللرسول ولذی القربی والیتٰمی والمساکین وابن السبیل کیلا یکون دولة بین الاغنیاء منکم	جو کچھ اللہ تعالیٰ اپنے رسول کو دوسری بستیوں سے دلوادے (کافروں سے) سو وہ بھی اللہ کا حق ہے اور اس کے رسول کا اور آپ کے قرابت داروں، یتیموں، مسکینوں اور مسافروں کا حق ہے (یہ حکم اس لئے ہے) تاکہ وہ مال تمہارے تونگروں کے درمیان نہ پھرتا رہے۔

اسلامی محاصل کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ وہ آمدنی پر نہیں عائد ہوتے ہیں بلکہ پس انداز شدہ دولت پر لگائے جاتے ہیں۔ جو محاصل آمدنی پر وصول کیے جاتے ہیں وہ زیادہ دولت جمع کرنے کی تحریک پیدا کرتے ہیں یہ چیز معاشرے کے لئے تباہ کن ہے اس سے دولت کی رفتار سست پڑجاتی ہے اور اس کا ایک بڑا حصہ تجوریوں میں سڑتا رہتا ہے جس کے زہریلے بخارات عوام میں غربت و فلاکت کی وبا پھیلا دیتے ہیں۔ اس کے ساتھ دولتمندوں میں غربا کا خون چوسنے کی ہوس ترقی کرجاتی ہے، نتیجہ بے روزگاری، مفلوک الحالی، معاشی طبقات کے درجوں میں غیر فطری اور حد افراط کو پہونچے ہوئے تفاوت کے سوا اور کیا ہوسکتا ہے۔

اسلامی محصول اپنی حکیمانہ نوعیت کی وجہ سے نہ صرف ان خرابیوں سے پاک ہے بلکہ اس کے برعکس نہایت مفید نتائج پیدا کرتا ہے، یہ جذبۂ دولت اندوزی کو کچل دیتا ہے اور اس کے بجائے دولت خرچ کرنے پر مجبور کر دیتا ہے، اس کی بدولت سرمایہ تجوریوں میں حجرہ نشیں ہونے کے بجائے پوری تیز رفتاری کے ساتھ سارے عالم میں رواں دواں رہتا ہے اور اپنے فوائد و منافع سے معاشرے کے ہر فرد کو بہرہ یاب کرتا ہے۔ دولت کو رواں رکھنے اور اسے خرچ کرنے کی شدید تحریک جو اسلام کے مقدس اور حکیمانہ طرز محصول کے طفیل میں پیدا ہوتی ہے دولت مندوں کو انفاق فی سبیل اللہ کے ساتھ شغل اصل (INNESTMENT) پر بھی مجبور کرتی ہے جس کا اثر کثرت روزگار، شرح اجرت کی زیادتی، معیار زندگی کی بلندی صارفین کی قوت خرید میں اضافہ، ضروریات زندگی کی فراوانی، صنعت و حرفت کی ترقی، خلاصہ یہ ہے کہ عام مرفہ الحالی

اور خوش حلقی کی صورت میں ظاہر ہونا بالکل یقینی ہے۔

خلاصہ اسلام نے انسان کی معاشی فلاح اور اس کی اقتصادی بہبود کے لیے جو اعلیٰ نظام مقرر کیا ہے اور جس کی مختصر تفصیل پچھلی سطروں میں کی جا چکی ہے۔ اس کا خلاصہ درج ذیل ہے

(۱) دولت اور ذرائع پیداوار کے ایک اچھے خاصے بڑے حصے کو اسلام عمومی ملکیت قرار دیتا ہے یعنی نہ وہ کسی شخص کی ملکیت ہو سکتا ہے نہ حکومت کی بلکہ ہر شخص اس سے یکساں طور پر آزادی کے ساتھ فائدہ اٹھا سکتا ہے۔

(۲) دولت مندوں کی دولت میں غربا اور مساکین کا مستقل حق مقرر کرتا ہے مگر اس حق کے حدود بھی متعین کر دیتا ہے۔

(۳) جو معذور اشخاص اکتساب دولت میں حصہ نہ لے سکیں ان کا حق بھی مقرر کرتا ہے لیکن اس کے بھی حدود مقرر کر دیتا ہے

(۴) محاصل آمدنی کے بجائے جمع شدہ دولت پر عائد کر کے دولت خرچ کرنے پر مجبور کر دیتا ہے۔

(۵) وسعت کے بقدر اور تعلق کی نسبت سے ہر مالدار کو دوسرے مجبوروں کے اخراجات کا ذمہ دار قرار دیتا ہے۔ مثلاً ہر شخص پر اسکے اہل و عیال کے اخراجات کا بار رکھتا ہے اور جس قدر اس کی وسعت بڑھتی جاتی ہے اسی قدر اس کی ذمہ داری بھی بڑھتی جاتی ہے یہاں تک بعض صورتوں میں پاس پڑوس کے رہنے والوں کی ذمہ داری بھی اس پر عائد ہوتی ہے۔

(۶) انفاق فی سبیل اللہ (واجب انفاقات مثلاً زکوٰۃ وغیرہ کے علاوہ) کی بہت زیادہ ترغیب دیتا ہے اور اس کے لیے قوانین مقرر کرتا ہے۔ جو معاشی حیثیت سے نہایت ضروری اور نافع ہیں۔

(۷) حکومت کو بھی غربا، مساکین اور معذورین کے نفقات کا ذمہ دار قرار دیتا ہے۔

(۸) حکومت کو افراد کی معاشی زندگی کا نگراں اور معاشرے میں معاشی توازن قائم رکھنے کا ذریعہ قرار دیتا ہے۔

(۹) صرف دولت کے بھی اصول و قوانین مقرر کرتا ہے اور دولت مندوں کی قوت تصرف میں ایسا اعتدال پیدا کرتا ہے۔ جو ایک طرف صرف دولت کو زیادہ سے زیادہ نفع بخش بنا دیتا ہے اور دوسری طرف غربا اور محتاجوں کے مقابلے میں ان کی قوت گھٹا کر انھیں چیرہ دستی سے باز رکھتا ہے۔

انفاق دولت معاشیات پر لکھنے والے بہت سے مصنفین نے اپنی کتابوں کی ابتدا صرف دولت کے باب سے کی ہے ان کا کہنا یہ ہے کہ عملاً معاشی زندگی کی ابتدا صرف ہی سے ہوتی ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ انفاق دولت معاشی عمارت کی خشت اوّل ہے اگر یہ ٹیڑھی ہو جائے تو پوری عمارت ٹیڑھی، کمزور، اور طوفان مصائب سے پناہ دینے کے لئے بیکار ہو جاتی ہے

یہ وہ نکتہ ہے جو تنہا عقل کی گرفت میں نہیں آسکتا، اس لئے دنیا کے جتنے معاشی نظامات محض عقل و طبیعت کے آفریدہ ہیں انفاق دولت کے بارے میں انسان پر کوئی معتدبہ پابندی نہیں عائد کرتے ہیں۔ جو پابندیاں وہ عائد کرتے ہیں اول تو ان کا کوئی قابل ذکر اثر نہیں پڑتا ہے۔ دوسرے ان کا تعلق درحقیقت اصالۃً و براہ راست انفاق سے ہے ہی نہیں بلکہ وہ اصالۃً

تقسیم سے متعلق ہیں اور ضمناً انفاق سے بھی کچھ نسبت رکھتی ہیں۔

اسلامی نظامِ معاشی میں یہ کمزوری کیسے پائی جاسکتی تھی۔ اس نے معاشیات کے اس باب کو نہایت تفصیل سے بیان کیا ہے اور اس کے لئے نہایت حکیمانہ قوانین و اصول بنائے ہیں

انفاق کی تقسیم اسلام نے انفاق کو اجمالی طریق سے تین قسموں پر تقسیم کیا ہے (۱) انفاق واجب (۲) انفاق جائز اور (۳) انفاق ناجائز۔ انفاق واجب کو مصداق دولت صرف کرنے کی وہ صورتیں ہیں جو شرعی طور پر اسلامی نظام قبول کرنے والوں پر ضروری ہیں اور اسلامی قانون ان اخراجات کو بعض خاص شرائط کے ماتحت اپنے ہر رکن کے لئے لازم قرار دیتا ہے۔ مثال میں تنہا زکوٰۃ (چاندی سونے اور مال تجارت کا ٹیکس) عشر (زراعتی پیداوار کا ٹیکس) اور عشور (مال تجارت کا محصول درآمد) ہی پر اکتفا کرنا کافی نہیں ہے۔ ان کی حیثیت تو ٹیکس کی ہے۔ جو حکومتِ اسلامیہ کے ذریعہ سے معذوروں اور مستحقوں کو پہونچتے ہیں۔ ان کے علاوہ ایک بہت بڑا حصہ واجب انفاقات و اخراجات کا رہ جاتا ہے جن کی ذمہ داری افراد پر عائد کی گئی ہے اور حکومت کو محض اس کا نگراں بنایا گیا ہے کہ افراد اپنی ذمہ داری سے عہدہ برا ہوتے ہیں یا نہیں۔

صدقۂ فطر بھی اس کی ایک مثال ہے لیکن سال بھر میں صرف ایک بار ہونے والے اس خرچ سے یہ نہ سمجھ لیجئے کہ انفاق واجب کا باب ختم ہوگیا اور افراد کی ذمہ داریوں کی فہرست مکمل ہوگئی۔ اسلامی نظام میں یہ فہرست بہت طویل ہے ایک عام اور کلی اصول یہ ہے۔

الا کلکم راع وکلکم مسئول عن رعیتہ (ترمذی) — یاد رکھو تم میں سے ہر شخص نگراں ہے اور جس کا نگراں ہے اس کے متعلق اسے جواب دہی کرنی پڑے گی

فقہ اور حدیث کی کتابوں کو دیکھئے تو آپ کو معلوم ہوگا کہ اسلام تمول اور استطاعت کے اضافہ کے ساتھ ساتھ انسان کی معاشی ذمہ داریوں "واجب انفاقات" میں کس قدر اضافہ کرتا جاتا ہے۔ بیوی بچوں کی ذمہ داری اور ان پر خرچ کرنے کا فرض تو سب کو معلوم ہے مگر شاید اس سے بہت کم لوگ واقف ہوں گے کہ شریعت اسلامیہ بشرط استطاعت و ضرورت دور دراز کے اعزا و اقارب، پاس پڑوس والوں اور جان پہچان والوں کی ذمہ داری بھی انسان پر عائد کرتا ہے۔ اور (علاوہ زکوٰۃ وغیرہ صدقات واجبہ کے) ان کے ضروری اخراجات کی کفالت کا بار اس پر ڈالتا ہے۔ یہ انفاق بھی دوسرے واجب و ضروری انفاقات کی طرح قانونی حیثیت رکھتا ہے نہ کہ محض اخلاقی۔ اہل حق اس کا قانوناً مطالبہ کرسکتے ہیں اور حکومت پر ان کی دادرسی واجب۔

دنیا کے معاشی نظاموں کی ایک مہلک کمزوری یہ ہے کہ انفاق فی سبیل اللہ ان کے نظام کا کوئی جز و اور حصہ نہیں ہے حالانکہ یہی وہ چیز ہے جو معاشی توازن کو قائم رکھنے والی ہے جو انفاق محض احتیاجات پوری کرلے یا مزید دولت کو کھینچ

کے لئے ہو اس میں خرچ کرنے والا حتی الامکان کم سے کم خرچ پر اکتفا کرنا چاہتا ہے اور لینے والا زیادہ سے زیادہ لینے کی کوشش کرتا ہے۔ شکوک و شبہات فریقین کے دلوں میں مستقل بود و باش اختیار کر لیتے ہیں جو تسکین و تشفی کے دشمن اور کشمکش کے خاص معاون ہیں۔ اس کے ساتھ احتیاجات کا اتار چڑھاؤ بھی ایک فطری قانون ہے، ان سب کا مجموعی اثر شرح اجرت کی کمی کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے اور دولت کا دریا اپنا رُخ بدل کر بہت سی زمینوں کو پیاسا چھوڑ دیتا ہے، یہ حالت خواہ عارضی ہی کیوں نہ ہو مگر سخت تکلیف دہ ہوتی ہے۔ ایسے وقت میں انفاق فی سبیل اللہ کا سیل رواں معاون بن کر اور سطح آب کو بلند کر کے ان خشک لب زمینوں کو سیراب کرتا ہے۔

دنیا کا وہ کون ملک ہے جہاں ایسے اشخاص کی ایک اچھی خاصی بڑی تعداد نہ پائی جاتی ہو جو معاشی جد و جہد سے بالکل معذور ہوتے ہیں۔ ساری دنیا نے انھیں نکما سمجھ کر چھوڑ دیا ہے لیکن اسلام نے اپنے حکیمانہ اصول سے ان کو بھی معاشی مشینری کا ایک نہایت کارآمد پرزہ بنا دیا ہے۔

ایسے معذوروں اور مجبوروں کے متعلق دنیا نے دو طریقے استعمال کئے ہیں کسی نے تو یہ کیا ہے کہ خیرات و صدقات کو بغیر کسی پابندی کے لائق تحسین فعل قرار دیا ہے، خیرات کرنا ان کے نزدیک اچھا کام ہے اور یہ ہر حالت میں کرنا چاہئے اس کیلئے نہ لینے والے پر کوئی پابندی ہے کہ کتنا لے اور نہ دینے والے پر کوئی پابندی ہے کہ کتنا دے۔ اس کا نتیجہ لینے والوں میں حرص و ہوس کی فراوانی اور دولت اندوزی کی مہلک خواہش کی صورت میں نکلتا ہے اور بیکاروں کی کثرت، اصل کی کمی، بیروزگاری اور مجموعی دولت کے انحطاط کے مہلک امراض معاشرہ کی زندگی تلخ کر دیتے ہیں۔

دوسرا فکر یہ ہے کہ ایسے معذور اشخاص معاشرے کا بار دوش ہیں اس لئے انھیں حتی الامکان کچھ نہ دو بلکہ کس مپرسی کے ہاتھوں قبر تک پہونچا دو لیکن انسانیت سے قطع تعلق کرنے میں اگر ابھی اس قدر کامیابی نہیں ہوئی ہے تو انھیں بقدر رسد رمق دیدو تاکہ یہ کچھ دنوں اور ایڑیاں رگڑ سکیں ان پر بھی ان کا کوئی حق نہیں ہے۔

یہ طرز عمل حیوانی ہونے کے علاوہ معاشی اعتبار سے بھی مضر ہے۔ اس طرح دولت کا ایک حصہ صرف تو ہو جاتا ہے مگر دولت کی مزید پیدائش میں کوئی اعانت نہیں کرتا جس کا نتیجہ بسا اوقات اشیا کی گرانی، شرح اجرت کی کمی، مجموعی دولت کے نقصان اور ضروریات زندگی کی کمیابی کی شکل میں ظاہر ہوتا ہے۔

اسلام نے انفاق فی سبیل اللہ کو اپنے معاشی نظام کا اہم ترین جزو بنا دیا ہے مگر صدقہ دینے والے اور لینے والے دونو کے لئے ایک حد مقرر کر دی ہے۔ صدقہ لینے والا ایک حد معین تک لے سکتا ہے یعنی وہ صرف نصاب زکوٰۃ تک لے سکتا ہے جب وہ خود مالک نصاب ہو جائے تو اس کے لئے مزید صدقہ لینا جائز نہیں بلکہ اگر وہ ایک سال تک مالک نصاب رہے تو خود اس پر صدقۂ زکوٰۃ فرض ہو جاتا ہے۔ دینے والے کے لئے بھی کسی مالک نصاب کو صدقہ دینا جائز نہیں ہے خواہ وہ کتنا ہی معذور کیوں نہ ہو۔ اب ان حکیمانہ حدود کے اثرات پر غور فرمایئے۔ معاشرے کا یہ معذور و مجبور عنصر محض ضروریات پر اکتفا کرنے کیلئے

مجبور نہیں ہوتا بلکہ مالک سیم وزر ہو کر اطمینان کے ساتھ جس طرح چاہتا ہے خرچ کرتا ہے۔ اس طریقہ سے دولت اس کے ہاتھ سے جا کر دوسری جگہ پیدائش اصل کا کام دیتی ہے اور معاشرے کی مجموعی مرفہ حالی میں کمی کے بجائے اضافہ کرتی ہے یہ محض انفاق فی سبیل اللہ کا اثر ہوتا ہے جو ان معذوروں میں بھی قوت خرید پیدا کر دیتا ہے۔ جو ارزانی اشیاء، شرح اجرت میں معتدل اور نفع بخش اضافہ اور روزگار مہیا کرنے میں اچھی خاصی معاون و مددگار ثابت ہوتی ہے۔

صدقہ لینے پر نصاب کی حد بندی اور بغیر محنت و کوشش دوبارہ ملنے کا یقین یہ دونوں چیزیں ایک طرف ان کے دل سے جذبۂ زراندوزی کو دور کر دیتی ہیں اور دوسری طرف ان میں دل کھول کر خرچ کرنے کا شدید میلان پیدا کرتی ہیں۔ یہ زر بجائے تجوریوں میں جانے کے ان کے ہاتھوں سے نکل کر ہاتھوں ہاتھ بازار میں پہونچ جاتا ہے جہاں وہ اجرت کی صورت میں مزدور کی رفاقت کرتا ہے، اصل کی شکل میں تاجروں اور کاروباری لوگوں کی تقویت کرتا ہے۔ صارفین کا مہمان بن کر ان کی قوت خرید میں اضافہ کرتا ہے اور ارزانی اشیا پیدا کر کے پورے معاشرے کے لطف کو بڑھاتا ہے ــــــ ذرا غور کیجئے وہ بنجر زمین جس کی آبیاری محض لاحاصل سمجھی جاتی ہے اور جسے دولت کے آب شیریں کے ایک جرعہ کا بھی مستحق نہیں سمجھا جاتا اسلام کی حکیمانہ تدبیر یعنی اسلامی طریق سے انفاق فی سبیل اللہ کے طفیل میں کس قدر زرخیز ہو جاتی ہے اور کس قدر سونا اُگلنے لگتی ہے

ہم تقسیم دولت کے بیان میں بتا چکے ہیں کہ شریعت اسلامیہ نے ایسا طریقہ اختیار کیا ہے کہ جس سے ہر شخص کا رجحان انفاق کی جانب ہوتا ہے، یعنی ایک حد معین تک تو ہر شخص خرچ کرنے پر قانوناً مجبور رہے لیکن اس سے قطع نظر کر کے اسلامی نظام معاشی میں ایسا طریقہ اختیار کیا گیا ہے جس سے ہر شخص قانونی طور پر تو نہیں لیکن طبعی طور پر اس پر مجبور ہو جاتا ہے کہ جو کچھ کمائے اُسے خرچ کر دے۔ دولت کو جمع کر کے رکھنے کے معنی اسلامی نظام میں یہ ہیں کہ دولت آہستہ آہستہ واجب انفاقات کی بدولت تھوڑے ہی عرصے میں اس کے ہاتھ سے کلیتہً نکل جائے۔ اس لئے انسانی عقل وطبیعت دونوں کا متفقہ فیصلہ یہی ہوتا ہے کہ جو کچھ کماؤ اسے کسی نہ کسی عنوان سے خرچ کر دو، یہاں تک کہ ایک حریص وبخیل آدمی بھی دولت کو باقی رکھنے کے لئے اور اپنے جذبۂ حرص کو تسکین دینے کے لئے اس طریقہ کے علاوہ کوئی چارۂ کار نہیں پاتا۔

جذبۂ انفاق کو اس قدر شدت کے ساتھ حرکت دینے کے بعد شریعت نے اس کا راستہ بھی مقرر کر دیا ہے اور اس راستہ کی اس طرح حد بندی کر دی ہے کہ صرف کی عادت انسان کو اسراف کے خارزار میں نہ پھنسا دے اور دولت فضول اور غیر مفید کاموں میں ضائع نہ ہو، اس حکیمانہ تحریک وحد بندی کے نتائج دولت کی عام نفع رسانی، پورے معاشرے کی مرفہ الحالی، ضروریات زندگی کی فراوانی، معاشی سطح کی ہمواری، محنت کی قدر افزائی اور ہر طبقہ کی خوشحالی، فارغ البالی کی صورت میں نکلنا یقینی ہیں جن کے ظہور کو قدرتی اور غیر اختیاری آفات کے سوا کوئی نہیں روک سکتا۔ یہ سب اس طرح ہوتا ہے کہ نہ شخصی ملکیت کو ختم کرنے کی ضرورت پیش آتی ہے نہ حکومت کو ہر جگہ سنگینوں کا سایہ کرنے کی حاجت ہوتی اور نہ طبقاتی کشمکش کی کوئی احتیاج پڑتی ہے۔ ایسی حالت میں حکومت ڈنڈی ترازو ہاتھ میں لینے کے بجائے صرف اس چیز کی نگرانی کرتی ہے کہ

اسلامی قوانین پر عمل ہو رہا ہے یا نہیں اور ہر شخص اپنی انفرادی و اجتماعی ذمہ داریوں کو محسوس کر رہا ہے یا نہیں جو اسلام نے اس پر ڈالی ہیں۔

انفاق فی سبیل اللہ معاشرتی و معاشی زندگی کا وہ ناگزیر اور اہم عنصر ہے جس کے بغیر اس میں شیرینی کا شائبہ بھی نہیں پیدا ہو سکتا۔ دنیا کا کوئی معاشی نظام ایسا نہیں ہے جس نے اس اہم عنصر کی صحیح اہمیت کو سمجھا ہو اور اسے اپنے اندر صحیح جگہ دی ہو، یہی وجہ ہے کہ ان میں سے کوئی بھی دنیا کے معاشی مسئلے کو حل نہیں کر سکا، قرآن مجید نے اس عظیم الشان اصول کی اہمیت اور اس کو نظر انداز کرنے کے لرزہ خیز نتیجہ کی طرف اس طرح اشارہ کیا ہے

وانفقوا فی سبیل اللہ ولا تلقوا بایدیکم الی التھلکہ اللہ کی راہ میں خرچ کرو اور اسے چھوڑ کر ہلاکت میں نہ پڑو

ہر وہ معاشی نظام تہیدست ہے جس کے پاس انفاق فی سبیل اللہ کی دولت نہیں ہے یا جو اس کا صحیح طریقہ نہیں بتا سکتا اور اس کی یہ تہیدستی معاشرے کے لیے یقیناً مہلک ہوگی۔

(۱۰) قوانین معاشی کی بنیاد اپنی اعتقادی اور اخلاقی تعلیمات پر رکھتا ہے جو نہایت بلند و برتر ہیں اور معاشی زندگی کو خوشگوار سے خوشگوار تر بنا دیتی ہیں، اور ان کی نفسیاتی بنیادوں کو مضبوط کرتی ہیں۔

(۱۱) انفاق فی سبیل اللہ اور صدقات واجبہ و مستحبہ کے ذریعہ سے دولت کو صرف دولتمندوں کے ہاتھوں میں گردش کرتے رہنے سے روکتا ہے جس کی ذمہ داری حکومت پر عائد کرتا ہے۔

(۱۲) اکتساب دولت کے بھی قوانین مقرر کرتا ہے اور اس میں کسی شخص کو آزاد نہیں رکھتا۔

(۱۳) سود خواری اور قمار کو بالکل ممنوع قرار دیتا ہے اسی طرح کچھ اور بھی غلط ذرائع آمدنی ایسے ہیں جن کو ناجائز قرار دیتا ہے

(۱۴) ایسے طریقے اختیار کرتا ہے جس سے ضروریات زندگی خصوصاً غذائی اجناس ہر شخص کو سہولت، کثرت اور ارزانی کے ساتھ حاصل ہوں اور اس میں جو رکاوٹیں پڑتی ہیں انھیں سختی کے ساتھ دور کرتا ہے (۱۵) زراندوزی کے میلانات و امکانات کو کم کرتا ہے۔

(۱۶) قوانین مبادلہ کی بنیاد رفع احتیاجات پر قائم کرتا ہے نہ کہ دولت سمیٹنے پر، اس لئے ان کی ساخت ایسی رکھتا ہے جس سے آسانی کے ساتھ ہر شخص کی ضروریات پوری ہو سکیں اور مبادلہ کی روح معاشی تعاون بن جائے۔

(۱۷) چاندی سونا چونکہ ساری دنیا میں آلہ مبادلہ (فقہا کی اصطلاح میں ثمن) تسلیم کیا جاتا ہے اس لئے یہ اگر کسی دوسرے مصرف میں صرف ہو تو اس میں کمی نمودار ہوگی اور وہی مہلک نتائج پیدا کرے گی جو اسے تجوریوں میں بند کر دینے سے پیدا ہوتے ہیں اس لئے شریعت اسلامیہ اس کے ظروف وغیرہ کا استعمال بھی ممنوع قرار دیتی ہے تاکہ یہ اپنے صحیح مصرف میں صرف ہو کر معاشرہ کی مرفہ الحالی کو بڑھاتے رہیں۔ اسی طرح اسراف و تبذیر سے منع کر کے دولت کے دھارے کا رُخ صحیح کر دیتا ہے۔ یہ اصول ہیں جو دنیا کو جنت کا نمونہ بنا دیتے ہیں اور دنیا کے معاشی مسئلہ کا صحیح اور یقینی علاج ہیں جن پر عمل کرنے کے بعد معاشی مصیبتوں کا تصور بھی محال ہے۔